سزائے شاتمِ رسول، ارتداد اور اسلامی روایت کی توجیہ

مولوی احسن احمد عبدالشکور

اسلام کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ کسی بھی نبوت کا انکار نہ کیا جائے، بلاتفریق زمان ومکان، حق کی روشنی کا چمکارا جہاں بھی اور جس جگہ بھی پڑا ہے، اسے مانا جائے۔ کسی ایک بھی پیغمبر کا انکار سب نبوتوں کا انکار ہے، اور یہ اللہ اور رسول کے درمیان نا قابلِ معافی تفریق ہے۔ اور اللہ کو ماننے کا دعویٰ کر کے کسی بھی ایک نبی کا استہزاء، اللہ ہی کو، اللہ کی پسند کو، خدا کے انتخاب کو، اور خدا کے چناؤ کو رد کرنا ہے۔ قرآن نے جس قوت کے ساتھ اس پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے وہ غیر معمولی طور پر نہایت ہی صریح اور واضح ہے۔ قرآن میں آتا ہے:

أُولٰئِکَ هُمُ الْکَافِرُوْنَ حَقًّا. (سورۃ النساء، ۴:۱۵۱)　ترجمہ: یہ لوگ بالکل حقیقی کافر ہیں۔

اور یہ تو آیت مبارکہ کا آخری حصہ ہے، آیت کو شروع سے ملاحظہ فرمائیے ارشادِ ربّانی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا. (سورۃ النساء، ۴:۱۵۰)

موضوع تفصیلی بحث کا تقاضا کرتا ہے۔ مگر صرف ''یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ'' اور ''نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ'' کے الفاظ توجہ طلب ہونا بتا کر ہم اگلے مقدمات کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ بہرحال! تمام انبیاء کو بلاتفریق تسلیم کرنا اسلام کی ایک ایسی خصوصیت ہے جس سے قوموں، وطنوں، طبقوں، خاندانوں اور شخصوں سے نکل کر اسے ایک بین الاقوامی مقام حاصل ہوا ہے۔ ذرا غور فرمالیجیے کہ یہودی بننے کے لیے صرف یہی کافی نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوّت کا اقرار کرے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرے۔ عیسائی ہونے کے لیے صرف یہی ضروری نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے۔ برخلاف ایک مسلمان کے کہ اس کی روح، نبوّت کے باب میں ابتداء واجراء سے لے کر انتہاء واختتام تک، انکار کے لفظ سے یکسر نا آشنا ہے۔ اس کا ملّی نظریہ یہ ہے کہ: لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ. (سورۃ البقرۃ، ۲:۲۸۵)

ترجمہ:　ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔

بہ الفاظ دیگر قرآن کے نزدیک ہر نبوّت کا اقرار ''اسلام'' ہے۔ اور کسی ایک نبی کا انکار بھی پورے اسلام سے انحراف ہے۔ اور کسی ایک نبی کی شان میں گستاخی نبوّت کا بدترین انکار ہے۔ اگر انکار خاموشی کی حدود میں رہے تو قانونی

گرفت میں آنے سے پہلے پہلے اس کو برداشت بھی کیا جا سکتا ہے۔مگر توہینِ رسالت تک جا پہنچنے والے بدتر از خلق کو کسی صورت معاف نہیں کیا جا سکتا۔قاضی عیاض رحمہ اللہ نے محمد بن سحنون کے حوالے سے بتایا ہے:

أجمع العلماء أنّ شاتِمَ النَّبِيَّ صلّى اللّٰه عليه وسلَّم والمتَنقّص لهٗ كافرٌ مرتدٌّ لسَبِّهٖ. والوعيد جارٍ عليه بعذاب الله لهٗ. وحكمهٗ عند الأمَّة القَتْلُ و مَن شَكَّ فِيْ كفرِهٖ و عَذَابِهٖ كَفَرَ. (دیکھیے: قاضی عیاض، الشفا۲: ۳۱۵، القسم الرابع، الباب الاوّل فی بیان ماہو فی حقہٖ صلی اللہ علیہ وسلم سبٌّ)

ترجمہ: محمد بن سحنون رحمہ اللہ کہتے ہیں: علماء کا اجماع ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے والا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تنقیص کرنے والا مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔اور اللہ کے نزدیک جو عذاب مقرر ہے اس کی وعید اس پر جاری ہو جاتی ہے۔اور ایسے شاتم رسول کا حکم پوری امت کے نزدیک یہی ہے کہ: اسے قتل کر دیا جائے۔اور جو شخص بھی اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''مَن سبَّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، أوشَتَمهٗ أوعابَهٗ أو تنقَصهٗ ، قُتِلَ مسلماً كان أو كافراً، ولا يُستَتَابُ''. (دیکھیے: قاضی عیاض، الشفا، ۲/۲۱۶، القسم الرابع، الباب الاوّل فی بیان ماہو فی حقہٖ صلی اللہ علیہ وسلم سبٌّ)

ترجمہ: جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے، برا بھلا کہے، عیب لگائے، یا تنقیص کرے، خواہ مسلمان ہو یا کافر قتل کیا جائے گا۔اور توبہ کرنے کو بھی نہیں کہا جائے گا۔

ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت بلند و برتر ہے۔امّتِ مسلمہ کی غیرت تو اسے بھی برداشت نہیں کرتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کسی چیز کی بھی توہین کی جائے۔چنانچہ ابنِ وہب رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

''مـن قـال: أنَّ رِدآء الـنّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم (و يُروىٰ: زُرُّ النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم) وَسُـخٌ ، أ رَدَ بِهٖ عيبَهٗ ، قُتِلَ. (دیکھیے: قاضی عیّاض، الشفا، ۲/۲۱۷ القسم الرابع، الباب الاوّل فی بیان ماہو فی حقہٖ صلی اللہ علیہ وسلم سبٌّ)

ترجمہ: امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا کہ انھوں نے فرمایا: جس شخص نے یہ کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر میلی ہے، (ایک روایت کے الفاظ میں چادر کی بجائے بٹن کا لفظ ہے) اور اس کا ارادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیب جوئی کا تھا تو اسے بھی قتل کیا جائے گا۔

اور یہ بھی کھلی کتاب کی طرح واضح ہے کہ: امتِ مسلمہ کی یہ غیرت صرف اور صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ''**لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ**'' ہر مسلم کا ایمان وعقیدہ ہے۔نبی خواہ کوئی بھی ہوں بس نبی ہونا

کافی ہے۔ان کی تعظیم، ادب اور تمام حقوق ایک جیسے ہیں۔کسی نبی کی توہین کی سزا قتل سے کم نہیں ہے۔اگر کوئی بد بخت حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام، یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شانِ اقدس میں گستاخی کی جرأت کرے گا، تو امّتِ مسلمہ اُسی زور اور قوّت سے ایسے شاتم کے قتل کا فتویٰ جاری کرے گی، جس طرح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کے قتل کا فتویٰ جاری کرتے ہے۔خواہ یہ توہین کھلے بندوں کی گئی ہو یا مخفی طور پر۔یہ شاتم جب بھی قانون کی گرفت میں آئے گا، قتل کی سزا سے بچ نہیں سکے گا۔چنانچہ قاضی عیّاض رحمہ اللہ نے ہی نقل کیا ہے:

قال مالک رحمه الله: من سبَّ النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم أو غیره من النّبیّین ، من مسلمٍ أو کافر ، قُتِلَ ولَم یُستَتَبْ. و قال أصبغ: یُقتَلُ علیٰ کلّ حالٍ ، أسَرَّ ذٰلکَ أو أظهرهٗ ولا یُستَتَابُ'' (دیکھیے: قاضی عیّاض، الشفا، ۲/۲۱۶)

ترجمہ: امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: جو کوئی شخص مسلم ہو یا کافر، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے علاوہ کسی دوسرے نبی کو سبّ وشتم کرے گا۔اُسے قتل کیا جائے گا، اور توبہ کرنے کا کہا بھی نہیں جائے گا۔اصبغ کہتے ہیں: چھپ کر سبّ وشتم کرے یا ظاہری طور پر، ہر حال میں قتل کیا جائے گا اور اسے توبہ کرنے کو بھی نہیں کہا جائے گا۔اس قدر بحث سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ: شاتمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو قرآن کہتا ہے، اور پوری امّتِ مسلمہ نے اجماعی طور پر اس سے جو سمجھا ہے، وہ یہی ہے کہ:

> ''توہینِ رسالت کا مرتکب ہر حال میں قتل کیا جائے گا۔نہ تو اسے یہ کہا جائے گا کہ وہ توبہ کرے اور نہ ہی اس کی توبہ قبول کی جائے گا۔''

امّتِ مسلمہ کا یہ موقف نہ تو وقتی جوش کا پیدا کردہ ہے، اور نہ ہی جذباتی فیصلہ ہے، بلکہ پوری متانت، سنجیدگی اور غور وخوض کے بعد اپنایا جانے والا جچا تُلا اور سنجیدہ موقف ہے جسے اختیار کرنے کے لیے غور وفکر اور اجتہاد کے تمام لوازمات کو پورا کیا گیا ہے۔اور عقل ونقل کی روشنی میں نصوص کو پرکھنے کے تمام مراحل طے کیے گئے ہیں۔اسی لیے علمائے امّت جو کہ دین کے امین، شریعت کے اَسرار کے واقف کار اور علم وتعلیم وابلاغِ دین کے ذمّہ دار ہیں، اس سلسلہ میں کبھی بھی اُن کی دو رائے نہیں ہوئیں۔ان کا متفقہ فیصلہ یہی ہے کہ شاتمِ رسول کی سزا قتل ہے۔جس کا بالتفصیل ذکر ہو چکا ہے۔ان واضح آیات وتصریحات کے ہوتے ہوئے کسی کا ان کے خلاف کچھ کہنا نادانی، جہل اور ناواقفیّت نہیں تو اور کیا ہے؟

قرآن کی رہنمائی کے بعد اور بقدرِ ضرورت وکفایت دلائل نقل کرنے کے بعد شریعت کے دوسرے مأخذ یعنی سیرتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصّلاۃ والسّلام سے رہنمائی لیتے ہیں۔سیرت نبوی علیٰ صاحبہ اَلف اَلف صلاۃ وسلام کا تفصیلی اور گہرا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ اسلام کے ضُعف کے ابتدائی دور سے لے کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک، جب کہ اسلام قوی ہو گیا تھا، حسبِ حالات زمانہ، کئی احکام میں تبدیلی ہوتی رہی ہے۔ایک دور ایسا بھی گزرا ہے جب ''اِدْفَعْ بَالَّتِیْ هِیَ اَحْسَن'' (سورۃ حٰم

السجدۃ،۴۱:۳۴) کا حکم تھا، جس کی حکمت پر سیر حاصل بحث قاضی عیّاض رحمہ اللہ نے الشفا میں کی ہے۔ **من شاء فلیراجع.**

پھر جب اسلام قوت میں آ گیا تو حکم بدل گیا۔ اور جس بد بخت کی بدزبانی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتی رہی، اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے حکم سے خاموش کیا جاتا رہا اور واقعی نبوّت کی توہین اگر کسی امّتی سے برداشت نہیں ہوتی تو نبی خود اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ وہ اس گناہ کے مرتکب کو برداشت نہ کرے۔ کیونکہ مسئلہ نبی کی ذات کا نہیں، نبی کی حیثیت اور نسبت کا ہے۔ اگر ایک حیثیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم محمد بن عبداللہ ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کا تقاضا یہ ہے کہ کسی مخالف، گالی گلوچ کرنے والے کو کچھ نہیں کہیں، تو وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دوسری حیثیت میں ''محمد رسول اللہ'' بھی ہیں۔ اور کسی بھی دوسرے شخص سے پہلے آپ خود اپنی نبوّت پر ایمان لانے والے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو بحیثیت رسول، برا بھلا کہا جانے کے وقت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی نسبت تقاضا کرتی ہے کہ اس مرتد وشاتمِ رسول کا وہ علاج کیا جائے جس کا وہ حق دار ہے۔ اور وہ سوائے ''تقتیل'' کے کچھ نہیں ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اقدام اپنی ذات کے لیے نہیں ہوگا، بلکہ اس فرض کی بجا آوری کے لیے ہوگا جو بحیثیتِ نبی آپ کا فرض منصبی ہے، یعنی تلاوتِ آیات وتعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ امّت۔ چنانچہ مسلمانوں کا ایمان اور ان کی غیرتِ ایمانی بچانے کے لیے، ہجو نگاروں کی گستاخیوں کی پاداش میں ان کا قتل روا رکھا گیا۔ بلکہ صرف یہی نہیں کہ روا رکھا گیا، بلکہ ضروری قرار دیا گیا جسے اصطلاحی زبان میں ''واجب'' یا ''فرض'' کہا جاتا ہے۔ چنانچہ علمائے سِیَر نے اپنی کتب میں اور محدّثین نے کتبِ حدیث میں ایسے واقعات کو جمع کر دیا ہے جن میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر طعنہ زنی اور بد زبانی کرنے والے بدبختوں کے لیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبانِ حقیقت ترجمان نے قتل کا فتویٰ جاری کیا ہے، اور بنفسِ نفیس اُن جماعتوں کی تشکیل فرمائی ہے جو ایسی زبانوں کو خاموش کر دیں جو شانِ رسالت میں بکواس بکتی ہیں۔

عہد نبوی ہی میں جن بدبختوں نے گستاخیِ رسول کا ارتکاب کیا، اور انھیں ان کے جرم کی سزا دی گئی، اس مضمون میں ان واقعات کا استیعاب نہ مقصود ہے نہ ممکن۔ لیکن مثال کے طور پر چند واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

قاضی عیّاض رحمہ اللہ نے الشّفا میں ایسے آٹھ واقعات کو جگہ دی ہے۔ امام عبدالرزاق صنعانی نے روایت کیا ہے:

☆ **عن عکرمة مولیٰ ابن عباس رضی اللّٰہ عنھا: أنَّ النّبِیَّ صلّی اللّٰہ وسلَّم سبَّہٗ رَجُلٌ ، فقال: من یکفینی عدوّی؟ فقال الزّبیر: أنا ، فبارزَہٗ ، فقتلہُ الزُّبیر.** (دیکھیے: صنعانی، مصنّف عبدالرزاق، ۳۰۸/۵ برقم ۹۷۰۴)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے دشمن کو ٹھکانے کون لگائے گا؟ حضرت زبیر نے عرض کیا: میں ٹھکانے لگاؤں گا۔ چنانچہ اس شخص کو للکار کر اس کا مقابلہ کیا، اور حضرت زبیر نے اس شخص کو قتل کر دیا۔

☆ صنعانی ہی نے نقل کیا ہے کہ: ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں بھی یہی کہا: میرے دشمن کو کون ٹھکانے لگائے گا؟ چنانچہ روایت میں ہے: **فخرج إليها خالد بن الوليد ، فقتلها.** کہ حضرت خالد بن ولید اس عورت کے پاس گئے، اور اسے قتل کر دیا۔

(دیکھیے: صنعانی، مصنّف عبدالرزاق، ۵/۳۰۷، برقم ۹۷۰۵)

☆ علامہ صنعانی ہی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا کہا ''**فبعث علياً والزّبير، فقال: اذهبا ، فإن أدركتماه فاقتُلاهُ**'' کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو بھیجا اور کہا: تم دونوں جاؤ، اور اگر تمھیں مل جائے تو اسے قتل کر دینا۔

(دیکھیے: صنعانی، مصنّف عبدالرزاق، ۵/۳۰۸ برقم ۹۷۰۷)

مضمون کافی طویل ہو گیا، سرِ دست تفصیل سے گریز کرتے ہوئے صرف چند مرفوع روایات کو بیان کر کے موقوف روایات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

☆ ابو رافع ایک یہودی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں چند انصار کو بھیجا تا کہ اس کا خاتمہ کیا جائے۔ چنانچہ اسے قتل کیا گیا۔

(دیکھیے: بخاری، الجامع الصحیح ۴/۱۴۸۲، برقم ۳۸۱۳، کتاب المغازی، باب قتل أبی رافع)

☆ ایک نابینا صحابی کی باندی، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کیا کرتی تھی۔ ایک رات اس نے ایسے ہی گستاخی کے کلمات کہے تو غیرتِ ایمانی سے اسے برداشت نہ کر سکے اور اسے قتل کر دیا۔ اگلے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر اس کا یہ جرم بتایا: ''**كانت تكثر الوقيعة فيك وتشتُمك**'' کہ وہ آپ کی گستاخی کیا کرتی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**ألا اشهدوا إنَّ دمها هَدَرٌ**'' لوگو! گواہ رہو اس موت کا خون ہَدَر ہے، یعنی اس خون کا کوئی تاوان اور بدلہ نہیں ہے۔''

(دیکھیے: نسائی، السنن، ۷/۱۰۷، برقم ۴۰۷۰۔ کتاب تحریم الدّم، باب الحکم فیمن سبّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور دیکھیے: أبوداؤد، السنن، ۴/۱۷۴، برقم ۴۳۶۱، کتاب الحدود، باب الحکم فیمن سبّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

یاد رہے کہ اس عورت کا قتل ہَدَر قرار دیا گیا، حالانکہ عام حالات تو ایک طرف، جنگوں اور لڑائیوں تک میں نبوی ہدایات میں یہ تھا کہ کسی بچے اور عورت کو قتل نہ کیا جائے۔

☆ ایک یہودیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کیا کرتی تھی۔ ایک صحابی نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار ڈالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودیہ کا خون بھی ہدر کر دیا تھا۔ یعنی یہ کہ اس خون کا کوئی تاوان یا بدلہ نہیں ہوگا۔ (دیکھیے: ابوداؤد، السنن، ۴/۱۷۴، برقم ۴۳۶۲، کتاب الحدود، باب فیمن سبّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ چند ایک واقعات نمونہ کے طور پر ذکر کیے گئے ہیں۔ قاضی عیّاض رحمہ اللہ نے بھی چند واقعات کا ذکر کر کے فرمایا ہے: ''**و کذٰلک أمر بقتل جماعة ممَّن کان یؤذیه من الکفّار و یسبُّه، کالنّضر بن الحارث و عقبة بن أبی معیط، وعهد بقتل جماعة منهم قبل الفتح و بعده ، فقُتِلُوا اِلَّا من بادر بِاِسلامهٖ قبل القدرة علیه**''

قاضی صاحب نے یہی بتایا ہے کہ ایذاء رسانی کی بنا پر ایک جماعت کے قتل کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دیا تھا۔ اور فتحِ مکہ سے قبل اور بعد میں ایسے کئی افراد مارے گئے مگر وہ بچ گئے جو اسلام لے آئے تھے۔ اِلَّا کی استثنا سے دھوکہ میں نہ پڑ جایئے، یاد رکھیے کہ انہی بعض کا اسلام مقبول ہوا تھا جو قانونی گرفت میں آنے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے جیسا کہ قاضی صاحب موصوف رحمہ اللہ نے خود ہی ''**قبل القدرة علیه**'' کے الفاظ سے اس کی صراحت کر دی ہے۔

عہدِ نبوی کا تعامل سامنے آ چکا، عہدِ صحابہ میں صحابہ کا مؤقف بعینہٖ یہی تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت ابو برزہ اسلمی فرماتے ہیں کہ:

☆ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آپ کسی پر غصّہ ہوئے تو اس نے آپ کو گالیاں دیں (یا بقول نسائی: برا بھلا کہا)۔

ابو برزہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا اے رسول اللہ کے خلیفہ! مجھے اجازت دیجیے، میں اس کی گردن اڑا دوں۔ سیدنا صدیق اکبر کا جواب سننے کے قابل ہے، فرمایا ''**فلیس ذلک لأحد الا رسول اللہ صلی اللّٰه علیه وسلم**'' کہ یہ حق کہ اسے کوئی گالی دے، تو اس گالی دینے والے کو قتل کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا نہیں ہے۔ (دیکھیے: قاضی عیّاض، الشفا، ۲/۲۲۳، اور دیکھیے: ابوداؤد، السنن، ۴/۱۷۴، برقم ۴۳۶۳، کتاب الحدود، باب فیمن سبّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

☆ علامہ متقی ہندی نے نقل کیا ہے کہ:

عن ابن عمر: أُتی عمر بن الخطاب برجل سبَّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم، فقتَلَهٗ، ثم قال: من سبَّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم أو أحدًا من الأنبیآءِ فاقتلُوهُ.

(دیکھیے: متقی ہندی، کنز العمّال، ۱۳/۱۶۷، برقم ۳۵۴۶۵)

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسا شخص لایا گیا جو سبّ وشتمِ رسول کا مرتکب تھا، تو آپ نے اس شخص کو قتل کر دیا۔ پھر ارشاد فرمایا: جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی نبی کو گالی دے (برا بھلا کہے) تو اسے قتل کر دو۔

سرِ دست علامہ اصبہانیؒ کی کتاب الامالی تو دستیاب نہیں ہو سکی، لیکن علامہ متقی ہندی رحمہ اللہ کا یہ نوٹ انتہائی وقیع ہے، کہتے ہیں: ''**أبو الحسن بن رملة الأصبهانی فی أمالیه ، وسندُهٗ صحیحٌ**''

یعنی امام ابوالحسن بن رملہ اصفہانی نے اپنے امالی میں اس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے لہٰذا روایت بالکل صحیح ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ یہ ہے: **قال: فیمن کذب علی النبّی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: یضرب عنقَہٗ.**

فرمایا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا بتائے، (یا آپ پر جھوٹ باندھے) اس کی گردن ماردی جائے۔

اور ایک مرفوع روایت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''**قال علیٌّ رضی اللّٰہ عنہ: أنَّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال: مَنْ سبَّ نبیًّا فاقتُلوہُ، ومن سبّ أصحابی فاضربوہُ.**'' (دیکھیے: قاضی عیّاض، الشفا، ۲/۲۲۱)

ترجمہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی بھی نبی کو گالی دے، اسے قتل کردو، اور جو میرے صحابہ کو گالی دے، اس کو مارو۔''

یہ چند نصوص اس باب میں کافی ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ توہین رسالت کے مرتکب کے بارے میں نبوت کا دوٹوک فیصلہ قتل کردینے کا ہے۔ اور اسی بات کے قائل خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین ہیں۔ اور اس مسئلہ کو مِن وعَن پوری امتِ مسلمہ نے اپنایا ہے۔

ابن تیمیہ حنبلی رحمہ اللہ نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب ''**الصارم المسلول**'' میں اس موضوع پر کہ شاتمِ رسول کی سزا قتل ہے۔ بہت زوردار بحث کی ہے۔ تفصیل کے لیے مراجعت مفید ہے۔ ان کے دلائل کا خلاصہ درج ذیل نکات میں سمیٹا جاسکتا ہے۔

☆ شاتمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ''فساد فی الارض'' کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور اس کی توبہ سے اس بگاڑ اور فساد کی تلافی نہیں ہوتی جو اس نے لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا ہے۔

☆ اگر توبہ کی وجہ سے سزا نہ دی جائے تو اسے اور دوسرے بدبختوں کو جرأت ہوگی کہ جب وہ چاہیں توہین رسول کا ارتکاب کریں۔ اور جب چاہیں توبہ کر کے اس کی سزا سے بچ جائیں اس طرح غیروں کو موقع ملے گا کہ وہ مسلمانوں کی غیرت کو بازیچۂ اطفال بنالیں۔

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کے جرم کا تعلق حقوق اللہ سے بھی ہے اور حقوق العباد سے بھی ہے۔

☆ حقوق اللہ کا ضابطہ یہ ہے کہ اللہ چاہے تو خود معاف کردیتا ہے۔ مگر قرآن کی واضح تصریحات سے معلوم ہو چکا ہے کہ منشائے ربّانی یہی ہے کہ توہین کے مرتکب کو قتل کی سزا ضرور دی جائے۔

☆ حقوق العباد کا ضابطہ یہ ہے کہ اس کی زیادتی اس وقت تک معاف نہیں ہوتی جب تک متعلّقہ مظلوم اسے معاف نہ کردے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیاتِ مبارکہ میں اگر کسی کا یہ جرم معاف کرنا چاہتے تو معاف کرسکتے

تھے۔مگر گزشتہ احادیث کی بنا پر یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف نہیں کیا۔لہٰذا اب اس گناہ کے حقوق العباد کی جہت سے معاف ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے اور امّتِ مسلمہ، یا مسلمان حاکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس جرم کو معاف کرنے کا حق قطعاً نہیں رکھتے۔

☆ قتل، چوری اور زنا جیسے جرائم کے بارے میں بھی اصول یہی ہے کہ: ان کا مجرم سچّی توبہ کرلے تو آخرت کی سزا سے بچ سکتا ہے۔مگر دنیاوی سزا سے اسی وقت تک بچ سکتا ہے جب تک قانون کی گرفت میں نہ آئے۔یہ ممکن نہیں ہے کہ قاتل، زانی، چور وغیرہ گرفتار ہو کر قانون کی گرفت میں آجائے اور یہ کہہ کر چھوٹ جائے کہ میں نے توبہ کرلی ہے۔دنیا کی سزا اور حد کے اجراء سے وہ بچ نہیں سکتا۔اور شاتمِ رسول کا جرم تو مذکورہ بالا تمام جرائم سے بدتر، اور زیادہ سنگین ہے۔(دیکھیے: ابنِ تیمیہ، الصّارم المسلول، ۱/۴۴۰، ومابعدہٗ)

آمدم برسرِ مطلب:

شاید مادیت کے پرستار جن کے ہاں ہر چیز کو تولنے کا معیار مادّہ ہے، امّتِ مسلمہ کے اس مؤقف کو شدت پسندی کہیں۔مگر ایک مؤمن کے لیے تحفظِ ختمِ نبوّت، اور تحفّظ ناموسِ رسالت ایمان کی حیثیت رکھتا ہے۔اور وہ حقیقتاً اس کا دیوانہ ہوتا ہے۔فرزانوں کو سمجھایا جا سکتا ہے بہلایا جا سکتا ہے، مگر دیوانے دیوانے ہوتے ہیں۔جب ایک یقین کو ایمان کی حد تک اپنایا جا چکا ہو، تو یہاں افہام وتفہیم کام نہیں دیتا:

عشق گوید کہ اے محکوم غیر　　سینۂ تو از بتاں مانند دیر
تا نہ داری از محمّد رنگ و بو　　از درودِ خود میالا نامِ او

اس موضوع پر علمائے امّت کی تحقیق کا خلاصہ، اور ان کا مؤقف سامنے آچکا ہے۔امّتِ مسلمہ کی چودہ صد سالہ تاریخ پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالیے، تو پتہ چلتا ہے کہ: قرنِ اوّل سے تا ہنوز علمائے امّت کی زندگیاں مطالعہ وتحقیق اور غور وفکر میں بیت گئی ہیں۔اس چودہ سو سال کی مدّت میں صحبتِ نبوی سے سیکھ کر، پڑھ کر، سوچ کر اور مشاہدہ کر کے امّت ایک خاص سانچہ میں ڈھل چکی ہے۔اس سانچے کو اب عرفِ عام میں ''اسلام'' کہتے ہیں۔

امّتِ مسلمہ نے جس چیز کو حق پایا ہے، اسے پورے قلبی اطمینان اور ذہنی سکون کے ساتھ اپنایا ہے۔اب اگر کسی نے یہ سمجھا ہے کہ امّتِ مسلمہ کے عقائد، ان کی پشت پر صدیوں سے فراہم کردہ محکم دلائل، امّت کی معلومات، تحقیقات اور خیالات کو فقط اعتراضات اور پروپیگنڈے کے زور سے بدلا جا سکے گا، تو اس کے سوا کیا کہا جائے اس کا مقام احمقوں کی جنّت ہے، کچھ اور نہیں۔اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس پروپیگنڈے کے دباؤ میں آکر امّتِ مسلمہ اپنا ایمان اس کے پاس رہن رکھ دے گی اور اس کے راشن کیے ہوئے خیالات اور بودے نظریات ہی کو روشن خیالی کے نام پر ظاہر کرے گی تو اسے آگاہ ہو جانا چاہیے کہ اُس نے امّتِ مسلمہ کو اپنے ترازو میں تولنے میں غلطی کی ہے۔امّتِ مسلمہ کا دل، صداقت کے لیے تو ہمہ وقت کھلا ہوا

ہے، اوراس کی رائے کوعلمی اور عقلی ونقلی دلائل سے تو بدلا جاسکتا ہے۔لیکن حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ختمِ نبوّت اور ناموسِ رسالت امّت کی رائے نہیں، بلکہ امّت کا ایمان ہے اور ایمان قابلِ بیع ورہن چیز نہیں ہوا کرتی۔امتِ مسلمہ کا احساس یہ ہے کہ ''تحفظِ ناموسِ رسالت'' اس کا ایمان ہے، اوراس کا اظہار اور دفاع اس کا پیدائشی حق ہے۔اسے دبانے کی پہلے بھی جس نے کوشش کی ہے واقعہ یہ ہے کہ وہ ناکام ہوا ہے۔اور آئندہ بھی جو کرے گا، ان شاءاللہ ناکام رہے گا۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ ذاتِ نبوّت سے عشق ہو، اور چھپ جائے۔تحفّظِ ختمِ نبوّت، اور تحفّظِ ناموسِ رسالت امّت کا ایمان ہے اوران کی پاسداری اسے خوب اچھی طرح آتی ہے۔جوشخص بھی امّتِ مسلمہ کے ایمان پر وار کرے گا، امّت اسے کبھی معاف نہیں کرے گی، اور بہرصورت اس کا بدلہ لے کے رہے گی۔عوام النّاس اپنے اجتماعی معاملات کا نظم ونسق چلانے کے لیے جن لوگوں پر اعتبار کر کے اختیارات ان کے سپرد کر دیں، ان ''اہلِ حکومت'' کی ذمّہ داری ہوا کرتی ہے کہ امّتِ مسلمہ کے عوام کی اجتماعی ذمّہ داریوں سے بہ خوبی عہدہ برآ ہوں کہ ان پر اعتبار ہی اس لیے کیا گیا ہے۔

دفعہ ۲۹۵۔سی کی تاریخ، اوراس کی موجودہ صورت ابھرنے تک کے تاریخی اَدوار کا جائزہ پیش نہیں کیا جا رہا۔ اس بات کی تفصیل دہرانا بھی مقصود نہیں ہے کہ جناب اسماعیل قریشی صاحب ایڈووکیٹ کی دوبارہ دائر کردہ پٹیشن کے اعتراض کہ ''توہینِ رسالت کی سزا صرف سزائے موت ہے۔'' اسے سزائے عمر قید میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا، کو فیڈرل شریعت کورٹ نے تسلیم کرلیا تھا۔اور دفعہ ۲۹۵۔سی کی موجودہ حتمی تحریر وجود میں آئی تھی۔

کہنا صرف یہ ہے کہ ۲۹۵۔سی امّتِ مسلمہ کا وہ ایمانی تقاضہ ہے، جسے حکومتی سرپرستی میں نافذ کرنے کے لیے امّتِ مسلمہ (خصوصاً اہلِ پاکستان) نے حکومت کے سپرد کیا ہے۔اب اگر حکومت اس دفعہ ۲۹۵۔سی کو بدلتی، یا کالعدم کرتی ہے یا اس میں ترمیم وتحریف کرتی ہے؟ تو کیا امّتِ مسلمہ کا ایمانی تقاضہ ختم ہو جائے گا؟ جواب بالکل دوٹوک ہے کہ امّتِ مسلمہ کسی شاتم رسول کا وجود ہرگز برداشت نہیں کرسکتی۔اگر حکومت اُس فریضہ کو پورا نہیں کرتی جسے ۲۹۵۔سی کی صورت میں اس کے ذمّہ لگایا گیا ہے، تو امّت انتہائی ناگواری کے باوجود مجبور ہے کہ دفعہ ۲۹۵۔سی نہ ہونے کی صورت میں اس فریضۂ مذہبی کو بنفسِ نفیس ادا کرے۔لیکن یہ صورتِ حال قطعاً خوش کن نہ ہوگی کہ وہ ذمّہ داریاں جو اجتماعی ہیں اور حکومت کے پورا کرنے کی ہیں، اربابِ حلّ وعقد کی سُستی اور نااہلی، نہیں بلکہ غیر ذمّہ دارانہ رویّہ کی وجہ سے ادھوری رہیں اور امّت کے افراد کو ان کی بجاآوری پر مجبور ہونا پڑے۔

مقصود یہی بتانا تھا کہ ''اسلام کے باغی'' (خواہ وہ مرتد ہو یا شاتمِ رسول) کو سزا میں قتل کر دینا، قرآن کا مطالبہ ہے، سنّت کی پکار ہے اور صحابہ کرام وخلفائے راشدین کا اس پر عمل ہے۔تابعین نے اسے اپنایا ہے اور امّتِ مسلمہ نے اجماعی طور پر اس اصول کی پاسداری کی ہے۔اللہ ہم سب کو اپنی مرضیّات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

و ما علینا الّا البلاغ المبین. و آخر دعوانا أن الحمد لله ربّ العالمین.